شاہ ولی اللہؒ کی تالیفات پر ایک نظر

(۲)

(غلام مصطفیٰ قاسمی)

دُوسری چیز جس پر ولی اللہی دعوت کا مدار ہے، وہ ہے احادیث صحیحہ پر غور و فکر کر کے تحقیق کے افق پر پہنچنا، اور فقہائے عظام کے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کرنا جو کہ صریح اور معروف حدیث کے موافق ہو۔ اس امر میں بھی شاہ صاحبؒ کو اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ سے تربیت حاصل ہوئی کیوں کہ شاہ عبدالرحیم صاحب اجمالی طور پر اس ملکہ کے مالک تھے۔ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"مخفی نماند کہ حضرت ایشان در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند اناں جملہ آنست کہ در اقتدا سورۃ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز۔ لہ"

مخفی نہ رہے کہ حضرت (والد بزرگوار) اکثر امور میں حنفی مذہب کے موافق عمل فرماتے تھے، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حدیث یا وجدان کی بنا پر دُوسرے مذہب کے مسئلہ کو ترجیح دیتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اقتدا میں بھی اور جنازہ دونوں میں سورت فاتحہ پڑھتے تھے۔

گو حضرت شاہ عبدالرحیمؒ سلوک اور طریقت میں حضرت امام ربانی کے پیروکار اور نقش بندی طریقت کے شیوخ میں سے ہیں، لیکن کہیں کہیں اختلاف رائے بھی رکھتے ہیں اور جہاں تک حدیث اور فقہی تحقیق کا تعلق ہے اس میں آپ کا مسلک امام ربانیؒ سے منفرد معلوم ہوتا ہے۔ یہ شاہ عبدالرحیمؒ کی تربیت

لہ دیکھو بوارق المعرفۃ مشمولہ انفاس العارفین ص۷ مطبع مجتبائی۔

کا ہی اثر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں نہ صرف ان فروعی مسائل میں بلکہ سلوک اور تصوّف کی تحقیقات میں بھی جمود نہیں پایا جاتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بطور لطیفہ، امام ربّانی مجدّد الف ثانی کے پوتے شیخ عبدالاحد ابن شیخ محمّد سعید سرہندی (وفات ۱۱۲۷ھ) اور شاہ عبدالرحیم کے درمیان بعض فقہی مسائل میں جو تبادلہ خیال ہوا اس کو یہاں ذکر کیا جائے:

شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن اس مسئلہ (قرات فاتحہ خلف الامام) میں شیخ عبدالاحد نے میرے والد بزرگوار سے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے (تائید میں) یہ نقل کیا کہ اس کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ایک جماعت بادشاہ کے حضور میں اپنی سرگزشت سنانے کے لئے کھڑی ہے، یہاں ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک الگ الگ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ سب مل کر کسی ایک کو اسی خدمت کے لئے مقرر کریں۔ یہ سن کر حضرت والد بزرگوار نے فرمایا کہ اس مسئلہ کو مذکورہ صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ نماز کا مقصد ہے دعا اور خضوع کے ذریعہ اللہ پاک سے مناجات اور سرگوشی کرنا اور نفس کو سنوارنا، جس پر یہ حدیث "لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" دلالت کرتی ہے، یعنی جس نے نماز میں سورت فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہے، اگر دنیا کے سب لوگ مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی بولی میں کچھ کہے تو ایک کی مناجات کو سننا دوسرے کی مناجات میں خلل نہیں ڈالتا[1] دوسری جگہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:-

بعد از وفات حضرت ایشاں دواز دہ سال کم وبیش بدرس کتب دینیہ وعقلیہ مواظبت نمود و در ہر علمی خوض واقع شد، و توجہ بر قبر مبارک پیش گرفت و درآں ایام فتح توحید وکشاد راہ جذب وعا بنی	حضرت (والد بزرگوار) کی وفات کے بعد بارہ سال کم وبیش کتب دینی وعقلی کے درس پر مواظبت کرتا رہا اور ہر ایک علم میں غور وخوض واقع ہوا، آنجناب کی طرف روحانی توجہ بھی حاصل ہوئی اور ان ایام میں توحید کا

---

[1] انفاس العارفین صنئ

عظیم از سلوک میسّر آمد، وعلوم وجدانیہ فوج فوج نازل شدند، وبعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ، واصول فقہ ایشاں واحادیثے کہ متمسک ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقہاء محدثین افتاد[1]	دروازہ کھل گیا اور جذب کی راہ بھی وا ہوئی اور سلوک کا ایک بڑا حصّہ بھی ہاتھ آیا، علوم وجدانیہ فوج در فوج نازل ہوئے، مذاہب اربعہ کی کتب اور ان کے اصول فقہ کے مطالعہ اور ان احادیث کے دیکھنے کے بعد جو ان کی دلیل ہیں نور غیبی کی مدد سے فقہاء محدثین کی روش پر چلنے کا خیال پیدا ہوا۔

یہاں نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے فقہی رجحانات کے بارے میں مذکورہ عبارت سے یا آپ کی دوسری تالیفات پر سطحی نظر رکھنے کی وجہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے اس کا مختصر طور پر ازالہ کیا جائے۔

میرے ایک بزرگ دوست کا ایک مقالہ بعنوان "شاہ ولی اللہ کے فقہی رجحانات المسوی اور المصفی کی روشنی میں" الرحیم ماہ ذوالحجہ ۱۳۸۴ھ اور ماہ محرم ۱۳۸۵ھ میں قسط وار شائع ہوا ہے، فاضل موصوف نے بلاشبہ اپنی بساط فہم کے موافق مقالہ لکھنے میں محنت سے کام لیا ہے، لیکن جوش خطابت میں آپ کے قلم سے کچھ ایسی باتیں بھی سرزد ہوئی ہیں جن سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، ہم ان میں سے چند باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار شروع میں ایک تمہید کے بعد رقم طراز ہیں:

"شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں:

(۱) بعض لوگ انھیں مجتہد مانتے ہیں اور مجتہد خود صاحب مسلک ہوتا ہے۔ کسی دوسرے امام کے مسلک کا پابند نہیں ہوتا۔

(۲) بعض انھیں مقلد مانتے ہیں۔

---

[1] الجزء اللطیف مشمولہ انفاس العارفین ص ۲۰۳۔

(۳) بعض لوگ غیر مقلد مانتے یا با لفاظ دیگر اہل حدیث وغیرہ۔"

فاضل موصوف بعض لوگوں کی طرف سے یہ رائے تو لکھ گئے کہ وہ شاہ صاحبؒ کو مجتہد مانتے ہیں اور مجتہد کسی دوسرے امام کے مسلک کا پابند نہیں ہوتا لیکن اس کی تصریح نہ فرمائی کہ یہ کون لوگ ہیں جو شاہ صاحبؒ کو مجتہد مانتے ہیں اور پھر مجتہد سے ان کی کیا مراد ہے۔ ؟ کیوں کہ مجتہد کے کئی اقسام ہیں : مجتہد مستقل، مجتہد منتسب، مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی الفتیا۔ حضرۃ استاذ علامہ عبید اللہ سندھیؒ، شاہ صاحبؒ کو مجدد اور مجتہد فی المذہب قرار دیتے ہیں، اور آپ نے بکثرت اپنے مقالوں اور تالیفات میں اس کی تصریح فرمائی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحبؒ کسی دوسرے امام کے مسلک کے پابند نہیں ہیں۔

حضرت الاستاذ علامہ سندھی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :

ونعرف الامام ولی اللہ جدد الفقۃ الحنفی باشارۃ الہامیۃ من النبی صرح بذلك فی كتابہ فیوض الحرمین[1]	امام ولی اللہ کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک الہامی اشارہ کی بنا پر فقہ حنفی میں تجدید فرمائی، موصوف نے اس کی فیوض الحرمین میں تصریح فرمائی ہے۔

آگے چل کر فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں :-

"شاہ صاحبؒ کے فقہی مسلک کے بارے میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس کے متعدد اسباب ہیں ؛

(۱) تناقض (الف) شاہ صاحبؒ نے خود اپنے بارے میں ایسی تصریحات کی ہیں جو بظاہر باہم متناقض ہیں۔ مثلاً ایک جگہ تصریح فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) مذاہب اربعہ اور ان کی اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث کو دیکھ کر جن سے ان مذاہب پر استدلال کیا گیا ہے، غیبی نور کی مدد سے میرا دل فقہائے محدثین

---

[1] تفسیر الہام الرحمٰن ص ۱۲۳ جلد (۱)

کی روشں پر مطمئن ہوا۔

محترم مقالہ نگار اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سے غیر مقلد حضرات یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ شاہ صاحبؒ انہی کی طرح غیر مقلد اور اہل حدیث تھے۔

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت میں غیر مقلد ہونے کی صراحت تو درکنار، اس کے بارے میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے لیکن پھر بھی فاضل مقالہ نگار نے اس سے مذکورہ بالا نتیجہ نکال کر اس کو "فیوض الحرمین" کی عبارت کے مناقض قرار دیا ہے۔ اس عبارت میں تو صراحت سے "روش فقہائے محدثین" موجود ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اہل مذہب میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جن کا تحقیق حدیث سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور وہ صرف فقہی روایات کو دیکھتے ہیں، چاہے وہ احادیث صحیحہ کے مخالف کیوں نہ ہوں۔ اور دوسرے فقہائے محدثین۔ جیسے ہمارے احناف میں امام طحاوی، امام ابوبکر الجصاص رازی، ابن الہمام صاحب فتح القدیر، ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلوبغا وغیرہ ہیں، یہ حضرات کئی مسائل میں فقہی روایات سے اختلاف بھی رکھتے ہیں اور صحیح حدیث کی طرف جھک جاتے ہیں، لیکن کسی نے بھی ان کو غیر مقلد نہیں کہا۔

متاخرین میں سے مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی تحقیقات کو دیکھا جائے کہ موصوف ائمہ مذاہب میں سے کئی مختلفہ مسائل میں دلائل کی قوت اور احادیث صحیحہ کو دیکھ کر حنفی علماء کی فقہی تصریحات کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں، اسی طرح "وصیت نامہ" کی جس عبارت کو فاضل مقالہ نگار نے فیوض الحرمین کی حنفی ہونے کی تصریح کے مناقض قرار دیا ہے وہ بھی فاضل موصوف کی بناء الفاسد علی الفاسد کا نتیجہ ہے، ورنہ درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے۔ اس میں بھی بصراحت "فقہائے محدثین" کی پیروی کی تلقین موجود ہے، اور یہی شاہ صاحبؒ کے ہاں شریعت کا جادہ قویمہ ہے۔

محترم مقالہ نگار اگر "وصیت نامہ" اور "الجزء اللطیف" کی عبارتوں کو فیوض الحرمین کی مفصل عبارت کی روشنی میں مطالعہ فرماتے تو ہرگز تناقض کی الجھن میں نہ پھنستے۔ طوالت کے خوف سے فیوض الحرمین کی اصل عبارت کو چھوڑ کر، مقالہ نگار نے جو ترجمہ پیش کیا ہے میں اس کو یہاں دہرانا مناسب سمجھتا ہوں۔

ترجمہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ حنفی مذہب میں ایک پسندیدہ طریقہ ہے، اور یہ طریقہ اس معروف سنت کے بہت موافق ہے جس کی جمع و تنقیح بخاری اور اصحاب بخاری کے زمانہ میں ہوئی ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جاتے جو اس مسئلہ میں سنت کے سب سے زیادہ قریب ہو، اس کے بعد ان حنفی فقہاء کے اختیارات کا تتبع کیا جائے جو علمائے حدیث بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے اصول میں ان سے سکوت برتا اور ان کی نفی بھی نہیں کی اور احادیث نے انھیں ثابت کر دیا ایسی صورت میں ان کے اثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ سب مذہب حنفی ہے۔"

فلسفہ ولی اللہی کے عظیم شارح علامہ عبید اللہ سندھیؒ فیوض الحرمین کی مذکورہ عبارت کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے بعض اہل علم کے پاس شاہ صاحبؒ کی ایک تالیف "المشاہد" کا خطی نسخہ دیکھا اور یہ "فیوض الحرمین" کتاب کی اصل ہے، اس میں "کانوا من علماء الحدیث" کے بعد "کالحافظ الطحاوی" زائد کلمہ موجود ہے[1]۔ اس اضافہ سے عبارت کی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔ فاضل مقالہ نگار کی عبارتوں کی اگر اسی طرح ہم نشان دہی کرتے جائیں گے تو اصل موضوع سے ہمیں دور جانا پڑے گا، اس لئے آخر میں وقت کے ایک فاضل اور جید عالم مولینا محمد یوسف صاحب بنوری کی ایک رائے نقل کر کے اصل موضوع کی طرف رجوع کریں گے:-

"اگر قدما میں سے قاضی بکار، اور امام طحاوی اور ابو بکر خصاف اور ابو بکر جصاص، قاضی ابو زید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ وغیرہ اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام، ابن امیر الحاج قاسم بن قطلوبغا وغیرہ مقلد ابو حنیفہؒ ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ حضرات بھی اپنے خصوصی مختارات رکھتے ہیں، تو پھر حضرت شاہ صاحبؒ کا انہی کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے۔

---

[1] تفسیر الہام الرحمٰن ص ۲۳۰۔ جلد (۱) مطبوعہ بیت الحکمۃ کراچی

نیز جبکہ قاضی اسماعیل، حافظ ابن عبدالبر، قاضی ابوبکر بن عربی، حافظ اصیلی، ابن رشد کبیر مالکی ہو سکتے ہیں، اور علی ہذا جبکہ ابن جوزی، ابن قدامۃ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہو سکتے ہیں، تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کو مقلد مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال ہے۔ اصولاً کسی امام صاحب مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے تو علماء امت میں اس کو اتباع و تقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا، قریباً سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں[1]"

(۳) ولی اللہی دعوت کے مدارج میں سے تیسری حیثیت ہے تصوّف اور شریعت کو باہم جمع کرنا اور یہ ملکہ بھی انھیں اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم کی برکت اور صحبت سے حاصل ہوا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ القول الجمیل میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

فالعبد الضعیف ولی اللہ عفا اللہ عنہ و الحقہ بسلفہ الصالحین صحب اباہ الشیخ الاجل عبدالرحیم رضی اللہ عنہ و ارضاہ دھرا طویلا، و تعلم منہ العلوم الظاھرۃ وتادب علیہ بآداب الطریقۃ، ورأی عنہ الکرامات وسألہ عن المشکلات، وسمع منہ کثیرا من فوائد الطریقۃ والحقیقۃ، وما جری علیہ وعلی شیوخہ من الواقعات	بندہ ضعیف ولی اللہ (اللہ اس کو معاف فرمائے اور اس کو اس کے سلف صالحین سے ملحق فرمائے) ایک طویل مدت تک اپنے والد اور بزرگ شیخ عبدالرحیم کی صحبت میں رہا اور ان سے علوم ظاہریہ کی تعلیم حاصل کی اور طریقت کے آداب سیکھے اور ان سے خوارق عادات چیزیں دیکھیں اور (تصوف کے) مشکل مسائل کے متعلق سوال کیا اور ان سے طریقت اور حقیقت کے بہت سے فوائد کو سُنا اور وہ واقعات، حالات اور کرامات

---

[1] مقالہ شاہ ولی اللہ اور حنفیت۔ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۳۶۰

والاحوال و الکرامات۔	بھی سنیں جو آپ پر اور آپ کے شیوخ پر جاری ہوئیں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کے طریقت کے اصول کیا تھے، اس کے متعلق موصوف اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

اصول پنجگانہ کہ ایں حقیر را عنایت فرمودہ اند در ادائے آن صرف ہمت باید نمود دوام الذکر والتقوی علی کل حال، والیصال النفع للخلق من غیر تفرقہ وعدم تفضیل نفسہ علی احد من خلق اللہ، والتواضع لامر اللہ و بخلق اللہ۔[1]	اس حقیر (شاہ عبدالرحیم) کو (طریقت کے) پانچ اصول عطا ہوتے ہیں، ان کی ادائی میں ہمت صرف کرنا چاہیئے۔ ہر حال میں ذکر اور تقوی پر دوام کرنا، بلا کسی فرق کے خلق خدا کو نفع پہنچانا، اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں سے کسی پر بھی فضیلت نہ دینا، اللہ کے حکم اور اللہ کی مخلوق سے تواضع کرنا۔

(۴) چوتھی چیز ہے علوم شرعی اور حکمت عملی کے جملہ انواع: تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدینہ اور سیاست مدن کے درمیان موافقت پیدا کرنا۔

شاہ صاحبؒ بوارق الولایۃ میں رقم طراز ہیں:

حضرت ایشاں ایں فقیر را در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند۔	حضرت والد بزرگوار اس فقیر (ولی اللہ) کو اپنی صحبت کی مجلس میں حکمت عملی اور معاملہ کے آداب سکھلاتے تھے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:[2]

حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ در	حکمت عملی جس پر دور حاضر کی اصلاح

[1] انفاس رحیمیہ ص۲۷ مطبوعہ مجتبائی ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ

[2] بوارق مشمولہ انفاس العارفین

آنست بوسعتِ تمام افادہ نمودند، و توفیق تشیید آں بکتاب وسنّت و آثار صحابہ دادند۔	موقوف ہے اس کا وسیع طور پر افادہ فرمایا اور کتاب، سنّت اور آثار صحابہ سے اس کی تقویت کی توفیق عطا فرمائی۔

(۴) المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ فارسی

ایک مقدمہ تو وہ ہے جس کا ذکر ترجمہ فتح الرحمٰن کے سلسلہ میں گزر چکا۔ وہ پاکستان میں پہلی بار کارخانہ تجارت کتب کراچی والوں نے ایک خطی نسخہ سے جو کہ سنہ ۱۲۱۰ھ کا لکھا ہوا ہے، نقل کرا کر طبع کیا، اس سے قبل یہ مقدمہ سنہ ۱۲۸۵ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ میں ترجمہ فتح الرحمٰن کے ساتھ چار صفحات میں شائع ہوا تھا۔ یہ قرآن مجید مترجم بڑی تقطیع کا تھا اور دو ترجموں ترجمہ فارسی فتح الرحمان اور ترجمہ اردو شاہ عبد القادر پر مشتمل تھا۔ حاشیہ پر فتح الرحمٰن اور فتح القرآن کے تفسیری حواشی بھی چڑھائے گئے تھے، اس کے ساتھ تفسیر ابن عباس عربی بھی مکمل حاشیہ پر دی گئی تھی۔ اس قرآن مجید کے آخر میں مولوی عبد السمیع رام پوری کا بنایا ہوا یہ قطعہ تاریخ دیا گیا ہے:

سال اتمام طبع او گفتم ؛ گشتہ مطبوع مصحف اطہر
۱۲ ۸۵

یہ مطبوعہ نسخہ بھی اس وقت نادر ہے کہیں کہیں علمی لائبریریوں میں اس کے پارینہ نسخے مل جاتے ہیں۔ مجھے مجلس علمی ڈابھیل کراچی کی لائبریری میں ایک کہنہ نسخہ نظر آیا اور دوسرا ایسا ہی کہنہ بلکہ اس سے بھی پارینہ پروفیسر حیلبانی صاحب سندھ یونی ورسٹی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔

یہاں جس مقدمہ کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ الگ چیز ہے۔ مؤلف امام اس کے شروع میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرماتے ہیں:

ترجمہ: "حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے کہ ترجمہ قرآن کے اصول اور قواعد کے متعلق یہ ایک رسالہ ہے، جس کا نام "المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ" ہے یہ اس وقت تحریر میں آیا جب میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھ رہا تھا۔"

اس عبارت سے اگرچہ کسی خاص سن تالیف کا تعین نہیں ہوتا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۴۲ھ اور ۱۱۵۱ھ کے درمیان کی تصنیف ہے۔

یہ مقدمہ فارسی، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کے اردو ترجمہ کے ساتھ ماہنامہ "برہان" دہلی میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سیوہاروی مرحوم کو کوئی صحیح نسخہ ہاتھ نہیں آیا تھا اس لئے اصل میں اغلاط کی وجہ سے اردو ترجمہ میں بھی کافی غلطیاں ہو گئی ہیں، اس فارسی مقدمہ کا سندھی ترجمہ صحت کے ساتھ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے سہ ماہی مجلہ الرحیم سندھی میں چھپ چکا ہے۔

یہاں عین مناسب ہوگا کہ تحقیق کرنے والوں کے لئے ترجمہ فتح الرحمن فارسی کے خطی اور مطبوعہ نسخوں کا اجمالی ذکر کیا جائے۔ فتح الرحمن فارسی کے خطی نسخے تو برصغیر کے علمی لائبریریوں میں کئی ہوں گے، یہاں ان نسخوں کا ذکر ہوگا جو یا تو میری نظر سے گزرے ہیں یا علمی فہارس سے معلوم ہوتے ہیں۔

مدرسۃ الاسلام لاڑکانہ سندھ کی لائبریری میں سنہ ۱۲۱۰ھ کا ایک خطی نسخہ موجود ہے جس میں قرآن مجید اور ترجمہ دونوں ساتھ لکھے ہوئے ہیں یعنی ایک ہی سطر میں قرآن مجید کی عبارت بھی آجاتی ہے اور ترجمہ بھی۔ اسی قسم کا ایک نسخہ میں نے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کی علمی لائبریری میں بھی دیکھا تھا، جس کا سن کتابت یاد نہیں رہا۔

اسی طرح ایک خطی نسخہ مکتبہ مشرقیہ دار العلوم پشاور میں بھی موجود ہے۔ فہرست کتب تفسیر موجودہ مکتبہ مشرقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ مقدمہ بھی ہے نام و کیفیت عمومیہ کے خانہ کے تحت فاضل مرتب لکھتے ہیں:

> فتح الرحمن (فارسی) نہایت عمدہ ترجمہ قرآن مجید ہے جن خصوصیات کے التزام سے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو لکھا ہے، اس کا ذکر انہوں نے دیباچہ میں بالتفصیل کیا ہے، جابجا تشریحی تعلیقات بھی لکھے ہیں۔ کیفیت خصوصیہ کے ماتحت رقم طراز ہیں:
>
> قلمی خوشخط بدرجہ اوسط، مع دیباچہ و ضمیمہ مشتمل بر خصوصیات ترجمہ (یہ دیباچہ اور ضمیمہ نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہیں پائے جاتے)

معہ رسالہ فوز الکبیر و فتح الخبیر (رسالہ اوّل الذکر میں نہایت محققانہ انداز سے اصول تفسیر کا بیان ہے اور کوئی شخص جو تفسیروں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کے پڑھنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا نہایت ہی مفید چیز ہے، دوسرا رسالہ غرائب القرآن کی تفسیر ہے[1]

نوٹ: اگر اس میں الفوز الکبیر فارسی کا کوئی صحیح خطی نسخہ ہے تو یہ غنیمت بارد ہوگی کیوں کہ الفوز الکبیر فارسی کے آج تک جتنے مطبوعہ نسخے ہیں وہ سب اغلاط سے پُر ہیں۔

فتح الرحمٰن کے مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ تو مطبع ہاشمی والا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا اور وہ ۱۲۸۵ھ کا مطبوعہ ہے۔

میرے ایک مخلص دوست مولوی سلطان محمود صاحب مدرس مدرسہ دار الرشاد پیر جھنڈہ نے ایک خط کے ذریعہ مجھے واقف فرمایا ہے کہ پیر جھنڈہ کی علمی لائبریری میں فتح الرحمٰن فارسی کے دو مطبوعہ نسخے موجود ہیں جن میں سے ایک کا کاتب محمد جواد بن ملا محمد موسیٰ کشمیری ہے اور اس کا سن طباعت سنہ ۱۳۰۱ھ ہے اور دوسرا نسخہ سنہ ۱۳۴۸ھ کا شائع شدہ ہے۔ بفرمائش میاں محمد شریف و عبد اللطیف تاجران کتب پشاور بازار قصہ خوانی باہتمام ملک دین محمد مالک دین محمدی پریس لاہور

مطبع محمدی بمبئی والوں نے سنہ ۱۳۲۶ھ میں حمائل شریف کی صورت میں بھی فتح الرحمٰن کے ترجمہ و حواشی کے ساتھ قرآن مجید چھاپا تھا۔ علامہ استاد عبید اللہ سندھی درس قرآن کے وقت اسی حمائل کو سامنے رکھتے تھے۔

اس کے بعد مطبع کریمی بمبئی والوں نے مطبع محمدی والوں کی حمائل شریف کی طرح سنہ ۱۳۵۳ھ میں فتح الرحمٰن فارسی کی اشاعت فرمائی۔ دونوں حمائلوں کے صفحات ۱۸۶ یکساں ہیں، البتہ ان دونوں کے حواشی میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اسی طرح حال ہی میں اسی حمائل کی بعینہ نقل اور چربہ مقبول عام پریس لاہور سے حاجی محمد عبد الخالق فضل مالک تاجران کتب قصہ خوانی بازار پشاور والوں نے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بیس بائیس سال قبل قرآن مجید معہ ترجمہ فارسی فتح الرحمٰن کا ایک نسخہ دیکھا تھا جو کہ حکومت افغانستان کی طرف سے ایک تاجپوشی کے موقعہ پر شائع ہوا تھا جو نہایت خوشخط اور عمدہ کاغذ پر طبع ہوا تھا، اس وقت نہ تو میرے پاس وہ نسخہ موجود ہے اور نہ کوئی ایسی فہرست ہی ہے جس سے اس کی تفصیل عرض کر سکوں۔

---

[1] لباب المعارف العلمیہ مکتبہ دار العلوم الاسلامیہ مطبع آگرہ اخبار آگرہ صہ ۱۴۔